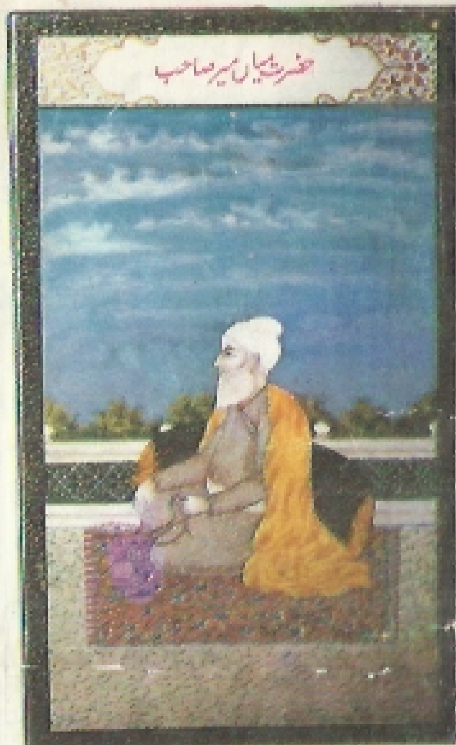
بابا گورو نانک





تحریکِ پاکستان اور خالصہ سیاست

پروفیسر محمدؐ منورؒ

ترجمہ از:

پروفیسر محمد یوسف عرفان

خالصہ سیاست اور پاکستان

پروفیسر محمد منور

کی انگریزی تصنیف

DIMENSIONS OF PAKISTAN MOVEMENT

کے ایک باب کا ترجمہ

○

ترجمہ از :

پروفیسر محمد یوسف عرفان

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

میرا خیال تھا کہ جناب پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کی کتاب Dimensions of Pakistan movement بھی اسی طرز کی عام کتابوں میں سے ہو گی جو مطالعہ پاکستان یا تحریک پاکستان پر لکھی جاتی رہی ہیں۔ یہ قبلہ مرزا صاحب کی خصوصی محبت و شفقت تھی کہ انہوں نے اسے پڑھنے کا مجھے حکم ارشاد فرما دیا۔ اب احساس ہوا کہ اس کتاب سے محروم رہنا ایک بہت بڑی محرومی ہے۔ ایسے حقائق اور بصائر سامنے آئے کہ گویا آنکھیں کھل گئیں۔

اے کاش یہ کتاب آج سے پچاس ساٹھ سال قبل اس قوم کے سامنے آ جاتی یا کم از کم پاکستان بننے کے فوراً بعد جوانان پاکستان تک پہنچ جاتی۔ ایسا اگر ہو جاتا تو ہماری قوم کو صحیح صحیح اپنی پہچان مل جاتی۔ اپنے شجر ماضی سے پیوستہ رہتی، اپنے دین و وطن سے مخلص ہوتی۔ ہم مشرقی پاکستان میں ہندو استعمار کے لیے تر لقمہ ثابت نہ ہوتے۔

زیر نظر کتابچہ اسی کتاب کا باب ہے۔ اس کتاب کا اتنا سا حصہ اگر پاکستان بننے سے پہلے صرف اہل پنجاب کے جیالوں کی نظر سے گزر جاتا تو پنجاب اور پاکستان کا جغرافیہ اور تاریخ دونوں مختلف ہوتے۔ خالصہ قوم ہندوؤں کی چالبازی کا شکار نہ ہوتی اور تقسیم ہند کے فوراً بعد پیش آنے والے خونیں و جانکاہ فسادات رونما نہ ہوتے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

لیکن صبح کا بھولا اگر شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ اس کتابچے کے ذریعہ ہم خالصہ قوم کو دوست و دشمن کی پہچان دلا سکتے ہیں۔

المخلص ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

تحریک پاکستان اور خالصہ سیاست

سکھوں کی دوسری اور آخری جنگ میں برطانوی عساکر نے سکھ فوجوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا۔ یہ جنگ بمقام گجرات (پنجاب) ۲۱ مئی ۱۸۴۹ء میں لڑی گئی۔ سکھ قوت کا ستارہ گویا ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔ تمام علاقہ جو خیبر سے لیکر ستلج کے سندھ میں داخل ہونے تک پھیلا ہوا تھا ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں چلا گیا۔ سکھ پلٹنیں ہوا کے رخ کی سمت یوں بکھر گئیں گویا وہ دور خزاں میں تیز ہوا کے سامنے بکھر جانے والے بے جان پتے تھے۔ تقریباً آٹھ برس تک سکھ قوم بے کسی، شکست خوردگی اور دل شکنی کی حالت میں مبتلا رہی، لیکن اس تمام پژمردگی کے باوصف ان کے دل و دماغ میں جو نفرت مسلمانوں کے لیے بھری تھی، وہ اس نفرت سے بہت زیادہ تھی جو انگریزوں کے خلاف تھی۔ حالانکہ انگریزوں نے انہیں شکست سے دوچار کیا تھا اور غلام بنا لیا تھا۔ ناقابل تردید ثبوت اس امر کا وہ خدمات ہیں جو سکھ سپاہیوں نے برطانوی حکام کے زیر فرمان ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں سرانجام دیں، جسے برطانیہ والے "غدر" کا نام دیتے ہیں۔

سکھوں کی حکومت کو ختم ہوئے کل آٹھ برس ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کے زخم ابھی تازہ تھے۔ اس اعتبار سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت سکھ قوم باغیوں میں فقط شامل ہی نہ ہوتی بلکہ دوسرے باغیوں سے بڑھ چڑھ کر انگریزوں کے خلاف سرگرم عمل ہوتی، لیکن اس کے برعکس انہیں ایک انتہائی شاندار موقع نظر آیا کہ اورنگ زیب کے مغل جانشین کی سلطنت کو برباد کر کے اپنا

سادہ دلی سے بار بار کس طرح فائدہ اٹھاتے رہے اور سکھوں کو کس طرح نقصان پہنچاتے رہے - سکھوں اور مسلمانوں کے تاریخی روابط کے پس منظر کا مطالعہ حافظے کو تازہ کرنے کے لیے فائدہ مند ہے - بلا تبصرہ نریندر سنگھ کی آراء کا خلاصہ سطور آئندہ میں درج کیا جاتا ہے :

" سکھ مذہب کے بانی بابا گورو نانک دیو کے بہت سے عقیدت مند مسلمان تھے - کئی مسلمان سردار ان کے خیر طلب تھے - بابا جی نے پنجاب کے حاکم دولت خان لودھی کے ماتحت مودی خانہ کے نگران کی حیثیت سے ملازمت بھی کی تھی - جونا گڑھ کے نواب فیض طلب خان بھی ان کے عقیدت مندوں میں سے تھے - گورو نانک دیو نواب جونا گڑھ کے پاس مہمان رہے اور جب رخصت ہونے لگے تو نواب جونا گڑھ نے ان سے التجا کی کہ تبرک کے طور پر اپنی کھڑاؤں انہی کے پاس چھوڑ جائیں چنانچہ رخصت ہوتے وقت گورو نانک دیو جی نے نواب صاحب کے حسب طلب اپنی کھڑاؤں جونا گڑھ ہی میں چھوڑ دیں - جو ابتک وہیں ہیں " - (۴)

بابر نے گورو نانک دیو جی کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا جس کے باعث گورو جی نے اللہ کے حضور میں دعا کی تھی کہ بابر کے خاندان کو طویل مدت تک حکومت میسر رہے جب شیر شاہ سوری کے ہاتھوں ہمایوں کو برے دن دیکھنے پڑے تو ہمایوں گورو نانک دیو جی کے بعد ان کی گدی سنبھالنے والے گورو انگد دیو جی کے دربار میں حاضر ہوئے - اور سوال کیا کہ ہماری سلطنت کو گورو نانک صاحب نے دعا دی تھی اور ان کی اشیر باد حاصل تھی یہ کیسے اتنی جلدی ختم ہو گئی - گورو صاحب نے فرمایا کہ گورو نانک صاحب کا فرمان کبھی غلط نہیں ہو سکتا آپ چند ہی سالوں میں پھر شہنشاہ بن جائیں گے۔ (۵)

اکبر کے دل میں گورو امرداس صاحب کے لیے بڑی عزت تھی - اکبر نے گورو امرداس ہی کے ایما پر ستی کی رسم بند کرنے کے احکام جاری کیے تھے - اکبر نے

کشالہ اور سلطان ونڈ وغیرہ گاؤں اور دمہ گورو رام داس کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کیے - (۶) گورو رام داس کے بعد سری گورو ارجن دیو جی گدی نشین ہوئے - بابا پرتھی چند جو کہ گورو رام داس صاحب کا بڑا لڑکا تھا چھوٹے لڑکے کو گدی ملنے پر ناراض ہو گیا لہٰذا شہنشاہ اکبر کے دربار میں دعویٰ دائر کیا ' مگر اکبر نے یہ کہہ کر دعویٰ خارج کر دیا کہ گدی اسی کے پاس رہے گی جس کو گورو رام داس صاحب خود سپرد کر گئے ہیں - پرتھی چند اور دوسرے ہندوؤں نے چندو لال کے ساتھ مل کر پرتھی چند کے لڑکے کے لیے گدی کا دعویٰ دائر کر دیا ' وہ بھی اکبر بادشاہ نے خارج کر دیا - انہی ہندوؤں کی طرف سے پھر گورو ارجن دیو صاحب پر قتل کی سازش کے دو مقدمے دائر کر دیے گئے جو مسلمان حاکموں نے جھوٹے قرار دے کر خارج کر دیے - (۷)

شہنشاہ جہانگیر نے گورو ارجن دیو جی کو جاگیر عطا کی - وہ گورو جی کی بڑی عزت کرتا تھا - چندو لال اور پرتھی چند نے گورو جی کے خلاف پھر ایک مقدمہ دائر کر دیا - شہنشاہ جہانگیر نے یہ مقدمہ خارج کر دیا - اس پر ہندو سازشیوں نے شہنشاہ جہانگیر کے ہاں چغلی کھائی کہ گورو گرنتھ صاحب میں مسلمانوں کے خلاف بہت تعصب بھرا ہوا ہے جہانگیر نے بھی اکبر کی طرح گورو گرنتھ جی کی عبارتیں سنیں اور اکبر ہی کی طرح چغل خوروں کو سختی سے ڈانٹ دیا ' لیکن آخر کار چندو لال گورو ارجن دیو جی کو گرفتار کرانے میں کامیاب ہو ہی گیا - (۸) اور چندو لال اور اس کے ساتھی سازشیوں کی وجہ سے ' جن کے حاکم لاہور سے روابط تھے ' گورو جی حوالۂ زنداں ہو گئے - اور زنداں ہی میں فوت ہو گئے - ایک ہندو لکھاری لالہ شوبرتھ لال ورمن نے لکھا ہے کہ یہ سری گورو گھرانے کے پہلے شہید ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ خاص ایک ناپاک ہندو کھشتری کے ہاتھ سے دھرم دھام کو سدھارے (یعنی وفات پائی) - (۹)

گورو ارجن دیو کے جانشین گورو ہرگوبند جیل میں تھے - ان کی وکالت جہانگیر کے دربار میں حضرت میاں میرؒ نے فرمائی - اور انہیں کی وکالت کی بنا پر جہانگیر نے

چندو لال کے بارے میں تحقیقات کرائی اور جب جہانگیر کو چندو لال کی سازشوں کا علم ہوا تو انہوں نے گورو ہرگوبند جی کو جیل سے رہا کر دیا - یہی نہیں بلکہ جہانگیر نے چندو لال کی ساری جائیداد قرق کر لی اور اسے گورو ہرگوبند کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اسے قتل کر کے گورو ارجن دیو جی کا انتقام لے لے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہانگیر کتنا انصاف پسند شہنشاہ تھا - (۱۰)

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب گورو ارجن دیو جی نے دربار صاحب امرتسر کی تعمیر کا آغاز کرنا چاہا تو انہوں نے حضرت میاں میرؒ جی سے التجا کی کہ وہ سنگ بنیاد رکھیں - (۱۱) گورو ارجن دیو کی طرح گورو ہرگوبند جی بھی پرتھی چند اور چندو لال کی سازشوں کا شکار ہوئے تھے اور انہیں گوالیار کے قلعے میں قید کر لیا گیا تھا - ان کے ضمن میں بھی حضرت میاں میرؒ نے شہنشاہ جہانگیر کو آگاہ کیا کہ گورو جی پر عائد کردہ الزامات غلط ہیں چنانچہ شہنشاہ جہانگیر نے ان کی رہائی کا حکم دے دیا ' مگر گرو جی نے فرمایا کہ جب تک سارے قیدی رہا نہ ہوں ' میں جیل سے نہیں نکلوں گا لہٰذا شہنشاہ نے سارے قیدی رہا کر دیے اور گورو جی کو پنج ہزاری منصب مع خلعت سے نوازا - باقی تحائف اس کے علاوہ تھے - (۱۲)

شہنشاہ شاہ جہاں کے دور حکومت میں بھی سکھ پنتھ کے دشمن ہندو گورو ہر رائے کے لیے مشکلات پیدا کرتے رہے - نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی فوجیوں اور سکھوں کے مابین جھڑپیں بھی رونما ہوئیں - یہ جھڑپیں بہت محدود تھیں اور فقط صوبائی حکام سے ان کا تعلق تھا - حق یہ ہے کہ گورو گدی کے خلاف شہنشاہ شاہ جہاں کے دل میں کوئی کینہ نہ تھا - (۱۳)

گورو تیغ بہادر جی کے دل میں شہنشاہ اورنگزیب کے خلاف کوئی کدورت نہ تھی

ہاں ہوا یوں کہ کشمیری برہمن گورو تیغ بہادر جی کے پاس ہائے وائے کرتے اور روتے دھوتے آگئے اور فریاد کی کہ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور چونکہ وہ اسلام قبول نہیں کر رہے لہٰذا ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں - یوں گویا ہندوؤں کی حمایت میں گورو جی کو بغاوت پر ابھارا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ بغاوت کے جرم میں شہنشاہ نے ان کا سر قلم کرا دیا - سیدھی سی بات ہے کہ انہیں ہندوؤں نے گمراہ کر کے اور بدبختی کے ساتھ جوش دلایا کہ وہ حکومت سے ٹکرا جائیں اور راہی عدم ہوں - (۱۴)

جہاں تک گورو گوبند سنگھ جی کی بغاوت کا تعلق ہے یہ امر حقیقی ہے کہ اورنگزیب عالمگیر دور دکن میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے ' پنجاب کے پہاڑی علاقوں کے چند ہندو راجاؤں نے گورو گوبند سنگھ جی کے قلعے آنند پور ' کا محاصرہ کر لیا - یہی قلعہ گورو گوبند سنگھ جی کا دارالخلافہ بھی تھا - ہندو راجگان گورو گوبند جی کی شان و شوکت اور عزت و آبرو سے جلتے تھے سبب یہ تھا کہ گورو جی نہایت شاندار لباس پہنتے تھے اور نہایت خوبصورت نیلے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے - اور ایک باز ہمیشہ ان کے بائیں ہاتھ کی پشت پر براجمان ہوتا تھا - جب یہ ہندو راجگان گورو جی کا قلعہ فتح نہ کر سکے تو انہوں نے سرہند کے نائب گورنر سے مدد طلب کی - اور بیس (20) ہزار روپے پیشگی ادا کر دیے - یوں گویا مغل عساکر اور مغل حکومت گورو گوبند جی کے مسئلے میں در آئی - یہ محاصرہ تین سال جاری رہا - آخر کار جنگ سے جان چھڑانے کے لیے گورو گوبند سنگھ جی نے اس شرط پر قلعہ خالی کر دیا کہ محاصرین ان کے تحفظ اور ان کی عافیت کے پابند ہوں گے ' لیکن راجاؤں نے عہد توڑ دیے - گورو جی کے دو عقیدتمند سرداروں نے جن کا نام نبی خان اور غنی خان تھا انہیں بحفاظت کسی پوشیدہ محفوظ مقام پر پہنچا دیا - گورو جی کی ماتا جی اور دو بچوں کے ساتھ گنگو نامی برہمن ملازم ہو لیا تاکہ رہبری کر کے انہیں کسی محفوظ جگہ پہنچا دے ' مگر گنگو برہمن نے گورو جی کے کنبے کے جواہرات زیورات اور نقدی چوری کر لی - اسی پر بس نہ کیا

بلکہ وہ تھانے چلا گیا اور گورو جی کے کنبے کے ضمن میں رپورٹ درج کرادی۔ اس طرح گورو گوبند سنگھ جی کے بیٹے گرفتار ہوئے۔ ان کے ساتھ غداری ان کے برہمن ملازم نے کی تھی۔ گورنر سرہند نے حکم دیا کہ ان دونوں لڑکوں کو دیوار میں چنوادیا جائے۔ اس پر نواب ملیر کوٹلہ نے شدید احتجاج کیا اور گورنر کے دربار سے احتجاجاً اٹھ کر چلا گیا۔

گورو گوبند سنگھ جی نے ایک لمبی فارسی نظم قلمبند فرمائی جس کا عنوان ظفر نامہ تھا۔ اس نظم میں اورنگزیب کو مخاطب کیا گیا تھا جو دکن میں فروکش تھے۔ اس فارسی نظم میں گورو جی نے اپنا دکھ درد بیان کیا، بہ صراحت احتجاج کیا اور گورنر سرہند کے خلاف شکایت درج کی۔ شہنشاہ کو یہ خط پڑھ کر بہت رنج ہوا، لہٰذا انہوں نے ہر درجے کے حکام کے لیے احکام جاری کیے کہ گورو گوبند جی کے ساتھ خوش سلوکی اور مہربانی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ ساتھ ہی شہنشاہ نے گورنر سرہند کا جواب طلب کر لیا۔ علاوہ ازیں شہنشاہ نے گورو گوبند سنگھ جی سے فرمائش کی کہ وہ دکن میں آکر ان سے ملیں۔ گورو جی نے تعمیل حکم کے طور پر دکن کی راہ لی، مگر قبل اس کے وہ شہنشاہ کے پاس پہنچتے شہنشاہ کا انتقال ہو گیا۔ (۱۵)

اورنگزیب عالمگیر کے بعد بھی متعصب اور تنگ نظر ہندو لاہور کے گورنر میر منو کو سکھوں کے خلاف اقدام کرنے پر ابھارتے رہے۔ سکھوں نے میر منو کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھائے لیکن اس سب کچھ کے ذمہ دار میر منو کے ہندو مشیر تھے۔ ایک کا نام لکھ پت تھا اور دوسرے کا نام جسپت تھا۔ (۱۶)

تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی اورنگزیب کے بیٹے اور ولی عہد بہادر شاہ کے مخلص معاون تھے۔ جب گورو جی کی وفات ہو گئی تو بہادر شاہ نے ماتمی لباس پہنا اور اپنے معاون کی رحلت پر غم اور دل گرفتگی کا اظہار کیا۔ شہنشاہ کے دل میں گورو گوبند سنگھ جی کے لیے بڑے احترام اور عزت کے جذبات جاگزیں تھے۔

زبیدر سنگھ عطیر کہتے ہیں کہ گورو گوبند سنگھ جی سے منسوب ایک قول سکھوں

میں رائج ہے کہ مسلمانوں کے عہد و پیمان پر کبھی اعتبار نہ کیا جائے۔ یہ قول سراسر جعلی ہے۔ (۱۷)

سکھوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ ان کے کارنامے اور ان کے احوال بالعموم ہندو ہی محفوظ رکھتے تھے۔ اور وہ ان کو بہت کم منظر عام پر لاتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ سکھوں اور مسلمانوں کے روابط تقریباً سرتاسر پوشیدہ ہی رہے۔ کم از کم یہ تو حقیقت ہے کہ سکھوں کی حاوی اکثریت ہندو ذہنیت کے زیر اثر رہی۔ زبیدر سنگھ جابجا اپنی کتاب میں زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے دل میں سکھوں کے توحید پنتھ کی بڑی عزت تھی۔ عیاں ہے کہ سکھ پنتھ کا بنیادی نقطہ توحید خداوندی ہے۔ اصل عقائدی تصادم تو ہندوؤں کے ساتھ تھا جو بتوں کے پجاری تھے۔ اس لیے اگر جھوٹ اور سچ الگ الگ چھانٹ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ ہندو ہمیشہ اس امر کے خواہاں رہے کہ وہ مغلوں کے ہاتھوں سکھوں کو نابود کروا دیں۔ سکھ بیچارے سادہ دل اور بھولے لوگ تھے، چنانچہ ہندو انہیں آسانی سے دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتے تھے سبب اس کا یہ تھا کہ سکھوں کے ہندوؤں کے ساتھ خونی رشتے تھے۔ وہ باہم شادی بیاہ کرتے تھے۔ تمدنی نقطۂ نظر تقریباً ایک سا رہا۔ عادات و رسوم بھی دونوں قوموں میں ایک جیسی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندو اپنے تاریخی رویے کے مطابق ہمیشہ اس بات کے درپے رہے کہ جیسے بھی ممکن ہو، سکھوں کو ہر بہانے کمزور کر کے اپنے اندر جذب کر لیں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ہندو ہمیشہ یہ دعویٰ کرتے رہے کہ سکھ بھی ایک ہندو فرقہ ہیں۔ اس طرح وہ ہمیشہ سکھوں کے علیحدہ تشخص کا انکار کرتے رہے۔ اور سکھ بیچارے ہندو عزائم سے ناآگاہ ہونے کے باعث ہمیشہ ہندوؤں کے دام فریب میں آجاتے رہے۔ اور ہندو انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے رہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سکھوں کا وطن پنجاب کی سرزمین ہے۔ ان کے تقریباً تمام مقدس مقامات اور ان کی عقیدت کے مرکز پنجاب ہی میں ہیں، لہٰذا ہر وہ امر جو پنجاب کو متاثر کرے، سکھوں پر بھی اثر ڈالتا ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے

کہ سکھوں کے ساتھ ساتھ پنجاب لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں کا وطن بھی تھا اور تاحال ہے۔

جب جمہوری ادارے برطانیہ کے زیر فرمان عمل میں آئے تو اس سے ہندوستان کی تمام قومیتوں کو اپنے علیحدہ علیحدہ تشخص کا شعور حاصل ہوا۔ پنجاب اس سے مستثنیٰ نہ تھا، لہٰذا ٹاؤن کمیٹیوں سے لے کر مرکزی حکومت تک 'ہر سطح پر' ہر مذہبی گروہ فطری طور پر خواہاں تھا کہ اپنے وجود کی اہمیت منوائے اور اس امر پر کوئی زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ جمہوری اداروں نے فرقہ وارانہ احساسات کو بڑھایا اور تقویت بھی دی۔ پنجاب میں ہندو ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سکھوں کا تعاون حاصل کر لینے میں 'جب چاہتے اور جس سطح پر چاہتے' کامیاب ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے کئی باہمی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف اتحاد قائم کیے رکھا اور اس اتحاد میں سکھوں کے مقابل حاوی مرضی ہندوؤں کی ہوتی تھی۔ یعنی سکھ عموماً" وہ کچھ کرتے جو ہندو چاہتے۔ اس کا نتیجہ آگے چل کر بہت المناک ثابت ہوا مسلمانوں کے لیے بھی اور سکھوں کے لیے بھی۔

سکھوں اور مسلمانوں کے مابین سیاسی حقوق کے ضمن میں سب سے بڑا تناؤ ۱۹۳۲ء میں کیمونل ایوارڈ کے اعلان کے وقت نمودار ہوا۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۵ یا ۵۶ فیصد تھی۔ لیکن اس کے باوجود پنجاب اسمبلی میں انہیں نشستیں فقط ۴۹ فیصد دی گئیں جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں بے اختیار کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ وہ محض اپنی حیثیت کے بل بوتے پر وزارت نہیں بنا سکتے تھے۔ انہیں دوسروں کی مدد کا محتاج بنا دیا گیا تھا۔ گویا ان کی اکثریت کو اقلیت میں بدل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کانگرس کے کیمپ میں ہاہا کار مچی اور گاندھی جی نے کیمونل ایوارڈ کو کھلے بندوں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ سردار سروول سنگھ کویشر فرماتے ہیں:

" میں نے گاندھی جی کی خدمت میں تجویز کے طور پر عرض کیا کہ

ہمیں یہ کہنے کی بجائے کہ ہم نہ کیمونل ایوارڈ قبول کرتے ہیں اور نہ ہی رد کرتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم کہیں ہم بیک وقت قبول بھی کرتے ہیں اور رد بھی کرتے ہیں۔ گاندھی جی کا میری اس تجویز پر جواب یہ تھا کہ میری تجویز کوئی بھلی نہیں لگتی مگر دکھ اس بات کا ہے کہ خود ان کا اپنا عندیہ اتنا ہی مضحکہ خیز تھا۔" (۱۸)

لیکن کیمونل ایوارڈ سے سکھ بہت زیادہ دکھی ہوئے کیونکہ وہ اپنے آپ کو تعداد کی حیثیت سے بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ اگرچہ اس وقت پنجاب میں کل آبادی کا ۱۳٪ تھے تاہم انہیں پنجاب اسمبلی میں ۲۰٪ نشستیں دی گئی تھیں مگر وہ خوش نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پنجاب میں حق استرداد (ویٹو) انہیں حاصل ہو۔ یعنی جو بات سکھ قوم کو قبول نہ ہو وہ پنجاب میں قانون نہ بنے۔ عددی قوت سے زیادہ اپنی حیثیت کے احساس نے انہیں اس امر پر ابھارا کہ وہ حکومت کے خلاف پنجاب میں ایک زور دار تحریک چلائیں۔ سر گوکل چند نارنگ لکھتے ہیں:

" سکھوں نے ان دنوں مہا راجا رنجیت سنگھ کی سمادھی پر حاضر ہو کر قسم کھائی تھی کہ وہ کیمونل ایوارڈ کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے، لیکن اس سوگند کے ولولے میں پہلے دن ہی جان نہ تھی۔ اس لیے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم نے اس ایوارڈ کے بارے میں غیر جانبداری کا رویہ اختیار کر لیا تھا اور مسٹر جناح کو بغیر کسی مخالفت کے مرکزی اسمبلی میں اس ایوارڈ کی تائید میں قرار داد منظور کرانے کی اجازت دے دی تھی۔" (۱۹)

جب ۳۱۔ ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس کے اجلاس ہو رہے تھے تو سکھوں نے آزاد پنجاب کا مطالبہ کیا تھا۔ سکھوں کی ساری پارٹیاں اس مطالبے کے حق میں متحد ہو گئی تھیں۔ یہ آزاد پنجاب کا مطالبہ کیا تھا۔ اسے مختصراً" گور بچن سنگھ ایم۔ اے اور لال سنگھ گیانی ایم۔ اے نے سطور ذیل میں یوں بیان کیا ہے:

"اس موقع پر اس مطالبہ کا معنی بہرحال یہ نہ تھا کہ ایک الگ آزاد سکھ سٹیٹ دی جائے۔ اس مطالبے کا مفہوم یہ تھا کہ پنجاب کو اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ وہ ضلعے جن میں مسلمانوں کی بھاری اور حاوی اکثریت ہے، انہیں الگ کر دیا جائے۔ اور ایک نسبتاً چھوٹا سا صوبہ باقی رہنے دیا جائے جو نسبتاً زیادہ مربوط اور ہم آہنگ ہو اور جس پر سے مسلمانوں کے حاوی غلبے کا دائمی بوجھ اٹھا لیا گیا ہو۔" (۲۰)

سکھ ہمیشہ گاندھی جی اور کانگرس پر بھروسا کرتے رہے تاکہ وہ آزاد پنجاب کے سکھ مطالبے کی مدد کریں۔ اسی خیال سے انہوں نے گول میز کانفرنس میں اس مطالبے کو زور دے کر پیش کیا تھا۔ انہوں نے گاندھی جی سے یہ بھی مطالبہ کر رکھا تھا کہ وہ لارڈ ارون کے ساتھ مجوزہ گفت و شنید کے دوران میں بھی سکھوں کے اس مطالبے کو سامنے لائیں۔ لیکن ہوا یہ کہ گاندھی جی اور کانگرس نے کمیونل ایوارڈ کی مخالفت نہ کی۔ قدرتی امر ہے کہ اس سے سکھوں کی سخت دل شکنی ہوئی۔ اور انہیں احساس اہانت ہوا۔ ہندوؤں کے ہاتھوں ایسی چوٹ کھانے کے باوجود سکھ مسلمانوں کے ساتھ پنجاب کے مستقبل کے ضمن میں معاملات طے کرنے پر آمادہ ہوتے دکھائی نہ دیئے۔

اس (مسلم سکھ) دوری میں مسجد شہید گنج کے المیے نے اور بھی وسعت پیدا کر دی۔ اس دور میں سر فضل حسین اور سر سکندر حیات نے بڑے سکھ جاگیرداروں کی مدد حاصل کر لی تھی تاکہ وہ یونینسٹ پارٹی کی قوت بڑھائیں۔ سکھوں کے اکثر و بیشتر معاملات کا تعلق پنجاب سے تھا۔ جہاں تک ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق ہے وہ فقط پنجاب سے وابستہ نہ تھے۔ ان کا مقدر پورے برعظیم کے ساتھ وابستہ تھا، لہٰذا کل ہند

معاملات پنجاب کو یہ اجازت نہ دے سکتے تھے کہ وہ ہندوستان کے مرکز سے ہٹ کر الگ جا کھڑا ہو۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ سکھ پنجاب کی حدود سے باہر بمشکل ہی نظر ڈالتے تھے گو ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ جمہوریت پسند لوگ ہیں تاہم اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ ایک خالصہ کا ووٹ ایک ہے۔ ان کے خیال میں ایک خالصہ سوا لاکھ کے برابر تھا۔ یوں ایک مسلمان کا ووٹ اور ایک خالصہ کا ووٹ برابر کیسے ہو سکتا تھا۔ حق یہ ہے کہ سکھ قوم کا یہ واہمہ جمہوریت کے سراسر مخالف تھا۔

جب ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو سکھوں نے بڑا جارحانہ رویہ اختیار کر لیا۔ مسلمانوں نے برعظیم کے اندر جب مملکت پاکستان کا مطالبہ کیا تو ظاہر ہے کہ پنجاب اس کا جزو لاینفک قرار پاتا تھا، لہٰذا سکھوں نے مسلمانوں کے اس مطالبے کے خلاف شدید غم و غصے کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ ہندی مسلمانوں کے مطالبے کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے سکھوں نے خالصتان یعنی سکھ سٹیٹ کا نعرہ بلند کر دیا۔ اس کے باوجود وہ کوئی بہت زیادہ ہیجان کی کیفیت میں نہ تھے۔ سبب اس کا یہ تھا کہ پاکستان کا مطالبہ فقط مسلم لیگ نے کیا تھا۔ اور مسلمانوں کی دیگر سیاسی جماعتیں اس مطالبے کے مخالف تھیں اور وہ کھلے بندوں تقسیم ہند کے تصور کے باب میں ناگواری کا اظہار کر رہی تھیں۔ کانگرس اور ہندو مہا سبھا نے اس مطالبے کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کی اور اس ضمن میں بڑے تلخ اور تند کلمات ارشاد کیے۔ یہی سبب ہے کہ قرارداد پاکستان کو سکھوں نے کوئی بہت زیادہ وزن نہ دیا۔ سکھ زیادہ بے مزہ اس وقت ہوئے جب کرپس مشن سکیم کا اعلان ہوا۔ اس سکیم کی رو سے جنگ عظیم دوم کے بعد کسی ایک صوبے یا ایک سے زیادہ صوبوں کو یہ حق دیا جانے والا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو مرکز سے الگ ہو سکیں گے۔ سکھوں اور ہندوؤں کے لیے اس

اعلان میں پاکستان کے تسلیم کیے جانے کا امکان مضمر تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس سکیم کے بعد سکھوں نے آزاد پنجاب کے مطالبے پر زیادہ سے زیادہ زور دینا شروع کر دیا:

"کل ہند اکالی کانفرنس کا اجلاس قصبہ وابلہ کلاں، ضلع لائلپور میں منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے تمام علاقوں سے آنے والے قائدین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کے اجلاس ۲۲ جولائی ۱۹۴۳ء نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے مطالبہ کیا گیا کہ پنجاب کی سرحدیں از سرِ نو متعین کی جائیں۔ شرومنی اکالی دل کی ورکنگ کمیٹی نے بھی (جو سکھوں کی قومی سیاسی تنظیم تھی) آزاد پنجاب کا مطالبہ کر دیا۔ اور ۷ جون ۱۹۴۳ء کو اس ضمن میں ایک قرارداد پاس کر دی۔" (۲۱)

واضح ہے کہ سکھ اس دور کے پنجاب میں اپنے لیے ایک نیا صوبہ قائم کرا لینا چاہتے تھے۔ اس مطالبے میں جو نظریہ کارفرما تھا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی حاوی اکثریت کا بوجھ ایک طرف کر دیا جائے۔ سکھوں کو توقع تھی کہ مجوزہ مطلوبہ صوبے میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر وہ بڑی حد تک مسلمانوں کی مرضی کے مقابل اپنی مرضی منوا سکیں گے۔ تاہم ابھی تک بھی سکھوں اور مسلمانوں کے روابط میں شدید تلخی اور کھچاؤ نمودار نہیں ہوا تھا جس کا ثبوت یہ ہے جب سردار اورنگزیب خان نے صوبے سرحد میں مسلم لیگ وزارت بنائی تو کوہاٹ کے اکالی لیڈر سردار اجیت سنگھ نے اس کابینہ میں شرکت اختیار کر لی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات نے ہندوؤں اور سکھوں کو لرزا کر رکھ دیا۔ سکھوں کی پریشانی کی تو کوئی حد نہ رہی۔ یہ الیکشن مسلم لیگ کے اس دعوے کو ثابت یا رد کرنے کے لیے منعقد ہوئے تھے کہ سارے ہندوستان کے مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ اور وہ مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کے سراسر حامی ہیں۔ انتخابات کے نتائج نے واضح کر دیا کہ مسلمانانِ برعظیم ایک ٹھوس چٹان کی طرح

قائداعظم کے جھنڈے تلے متحد تھے اور انھیں ان کی محبوب منزل یعنی پاکستان کی طرف بڑھنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ ان انتخابی نتائج نے برطانوی حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ ایک وزارتی مشن برعظیم میں بھیجے جو ہندوستانیوں کو آزادی دے۔ ایسی آزادی جو سب ہندوستانیوں کے لیے اور خصوصاً دو بڑی جماعتوں کے لیے قابل قبول ہو۔ عیاں ہے کہ وہ دو بڑی جماعتیں کانگرس اور مسلم لیگ تھیں۔ وزارتی مشن نے جن تجاویز کا اعلان کیا۔ اس میں صوبوں کی گروپنگ تھی۔ اس گروپنگ میں دو گروپ مسلم اکثریتی صوبوں کے تھے۔ ایک گروپ شمال مغربی مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل تھا اور دوسرا مشرقی صوبوں پر۔ صوبوں کی گروپنگ کو دیکھ کر پوری ہندو قوم بھونچکی رہ گئی۔ سکھ آگ بگولا ہو کر رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ پنجاب دو مسلم اکثریتی صوبوں والے گروپوں میں سے ایک کا حصہ تھا۔ اس موقع پر کانگرسی لیڈروں نے کیسے کیسے پیچ دار اور عیارانہ حیلوں سے کام لیا، یہ ایک دردناک کہانی ہے۔ اور اس کے لیے ایک علیحدہ کتابچے کی ضرورت ہے مگر یہاں بھی ہندوؤں کو ایک اور موقع میسر آ رہا تھا جس کے حوالے سے وہ سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ اور یہاں بھی سکھ اپنے روایتی بھولپن کے باعث سر تا سر ہندوؤں کے حوالے ہو گئے۔ چنانچہ سکھوں نے وزارتی منصوبے پر بڑی تلخ تنقید وارد کی اور اس منصوبے کے ہر ہر نکتے کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ اس کے باوجود جب گاندھی نے اشارہ کیا کہ پنڈت نہرو کی دعوت قبول کر لی جائے اور اپنے نمائندوں کو دستور ساز اسمبلی میں نشستیں سنبھالنے کی اجازت دی جائے تو سکھوں نے بھی اپنے نمائندوں کو یہ اجازت دے دی۔ اس طرح عملاً سکھوں نے اپنے مقدر کو ایسے نازک موقع پر بھی ہندوؤں ہی کے حوالے کیے رکھا۔ مسلم لیگ نے دستور ساز اسمبلی کی کارروائیوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے باوجود سکھوں نے مسلم لیگ کی طرف نہ دیکھا۔ حالانکہ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے، انھیں مسلم لیگ ہی سے کوئی معاملہ طے کرنا چاہیے تھا۔ الٹا مسلمانوں کے خلاف جو دلوں میں نفرت پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی وہ مزید انگارے

اگلنے لگی۔ جیسا کہ سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے سکھوں کی مسلمانوں کے خلاف ہندو ذہنوں نے گھڑی گھڑائی کہانیوں پر پرورش کی تھی اور سکھ ابھی بے بنیاد فسانوں کو نسلاً بعد نسلاً دہراتے چلے آئے تھے اور اسی وجہ سے وہ بڑی آسانی کے ساتھ ہندوؤں کی حیلہ سازی کے دام میں گرفتار ہو کر رہ جاتے تھے۔ بہر حال اس موقع پر سکھوں کا مطالبۂ آزاد پنجاب سکھ ریاست کی شکل اختیار کر گیا۔ وزارتی مشن کی تجاویز کے اعلان کے بعد ایک طرح سے تقسیم برعظیم کا عمل جاری ہو گیا۔ اس دور میں سکھوں نے سکھ سٹیٹ کے بارے میں ٹھنڈے دل سے غور ہی نہ کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی سکھ سٹیٹ کے بارے میں سوچتے وہ اپنے ہتھیار کھڑکا کھڑکا کر بس مسلمانوں کو چیلنج کرتے رہے اور مسلسل یہ کہتے رہے کہ وہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں گے اور پاکستان نہیں بننے دیں گے۔ چاہیے یہ تھا کہ وہ اس موقع پر ہندو قائدین پر اعتماد کرنے کے بجائے مسلمان قائدین پر اعتماد کرتے جن کے ساتھ عہد و پیمان ہونے کی صورت میں وہ بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے۔

۱۹۴۶ء میں ایک کتاب "سکھ سیاست" کے نام سے لاہور میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بہت سے سکھ قائدین کے مضامین تھے۔ مثلاً ماسٹر تارا سنگھ، گیانی کرتار سنگھ، سردار کرتار سنگھ ایم۔اے، سردار ایشر سنگھ مجھیل، سردار اجیت سنگھ، سردار سروپ سنگھ ایم۔اے، سردار سادھو سنگھ ہمدرد وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک نے سکھوں کو ہتھیار اٹھانے پر ابھارا۔ نیز یہ کہا کہ دستوری تحفظات کوئی معنی نہیں رکھتے۔ بہتر یہ ہے کہ تلوار ہاتھ میں لیکر لڑنا شروع کر دیں اور لڑتے لڑتے جان دے دیں۔ یہ غلامی کی زندگی سے بہتر ہے۔ ریاستیں ہتھیاروں کے بل بوتے پر تخلیق کی جاتی ہیں۔ ریاستیں تقاریر اور گفت و شنید کی بدولت وجود میں نہیں آتیں۔ ان سب مضمون نگاروں نے اس ماضی کا حوالہ دیا جب سکھوں کا پیلا جھنڈا لاہور کے قلع پر لہرا رہا تھا۔ اور اب وہ سکھ قوم کو ابھار رہے تھے کہ وہی پیلا جھنڈا دوبارہ لاہور قلع پر لہرا دیا جائے۔ خاص طور پر ماسٹر تارا سنگھ کے مضمون میں سوائے خون اور آگ

کے کچھ نہ تھا۔

ہندو قوم یہی کچھ چاہتی تھی جو کچھ سکھوں نے کر دکھایا۔ ہندوؤں کا مقصد یہی تھا کہ سکھوں کو بھڑکا کر اس طرح مسلمانوں کے خلاف لڑنے مرنے پر آمادہ کر دیا جائے کہ وہ اپنی سکھ ریاست بھول جائیں۔ اور ہندوؤں کے دام مکر میں گرفتار ہو کر تقسیم پنجاب کا نعرہ لگائیں۔ ظاہر ہے کہ تقسیم پنجاب سے فائدہ ہندوؤں کو پہنچ رہا تھا نہ کہ سکھوں کو۔ مگر اس کا کیا علاج کہ سکھ قائدین نے اپنی قوم کے مفادات کو نظر انداز کر کے اس نازک موقع پر بھی بڑے جذباتی اور دیوانہ وار انداز میں ہندوؤں ہی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور مسلمانوں کے خلاف بر سر پیکار ہو گئے۔

ایک بات یہاں صاف ہو جانی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ آیا مسلم لیگی قائدین نے سکھ لیڈروں کے پاس پہنچنے میں کوتاہی کی اور انہیں کوئی ایسی پیشکش نہ کی جس کی بدولت وہ مسلم لیگ کی طرف کھنچتے مثلاً یہاں مائیکل ایڈورڈز کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> "مسلم لیگ نے سکھوں کو کوئی ایسی پیشکش نہ کی کہ اگر وہ پاکستان میں آجائیں تو وہ کس کس قسم کا تحفظ حاصل کر لیں گے۔ مسٹر جناح نے سکھوں سے کہا کہ تم پاکستان قبول کر لو۔ اس کے بعد ہم ہر طرح کا انصاف مہیا کریں گے۔ یہ رویہ کسی طرح بھی حوصلہ افزا نہیں تھا۔ اسی لیے سکھوں نے ترجیح اس امر کو دی کہ پنجاب کو تقسیم کروا لیا جائے۔ بجائے اس کے کہ سارا صوبہ پاکستان کو مل جائے۔" (۲۲)

ظاہر ہے کہ مائیکل ایڈورڈز اور اسی جیسے کئی دیگر نامہ نگار اور مصنف کانگرسی پراپیگنڈا کا شکار تھے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلم لیگ کے پاس فقط ایک انگریزی اخبار تھا۔ ڈان (DAWN) اور اس کے مقابل کم از کم کئی درجن زوردار انگریزی اخبار، کانگرسی نقطۂ نظر کا پروپیگنڈا کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ خود برطانوی حکومت کی طرف سے بھی کانگرسی نقطۂ نظر کی تائید جاری تھی۔

مائیکل ایڈورز جیسے اہل قلم کے بیان کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ سکھوں نے مسلمانوں کی بات سنی ہی نہ تھی - جب برعظیم کے سیاسی الجھاؤ کا واحد علاج پاکستان تسلیم کر لیا گیا اور تقسیم برعظیم کا فیصلہ ہو گیا تو اس وقت بھی قائداعظم اور لیاقت علی خان نے سکھ قائدین سے معاملات طے کرنے کی کوشش جاری رکھی تھی ' مگر ایسی ساری مساعی ناکام رہیں - ایم - اے - ایچ اصفہانی لکھتے ہیں :

" یہ تھا وہ نازک دور جس اثنا میں قائداعظم نے بے حد کوشش کی کہ سکھوں کو دلیل اور معقولیت کی راہ دکھائیں - وہ تو یہ چاہتے تھے کہ کوئی سکھی سی سکھ ریاست کی بجائے وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوں اور پھر اچھے برے مقدر میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں - قائداعظم نے ہر اس آزادی کی ضمانت دی جو سکھوں کو درکار تھی اور انہیں یقین دلایا کہ وہ ہر طرح کی بالادستی کے خوف سے آزاد ہوں گے اور انہیں امن اور خوشحالی کی زندگی میسر ہو گی ' لیکن وہ سوجھ بوجھ کی راہ پر ہی نہ آئے - اور دوستی کا وہ ہاتھ قبول کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوئے جو مسلمانوں کی طرف سے پیش کیا جا رہا تھا - جب آزادی کی منزل مزید قریب آگئی تو لیاقت علی خان نے شریک کابینہ اپنے رفیق بلدیو سنگھ سے اس موضوع پر بارہا گفت و شنید کی - خود قائداعظم نے سکھ رہنماؤں سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا اگر وہ ہمارے (مسلمانوں) ساتھ شامل ہو جائیں گے تو ان کے ساتھ بڑا عادلانہ سلوک کیا جائے گا - عین آزادی کے لمحات کے قریب بھی قائداعظم آمادہ تھے کہ سکھوں کو ان کا الگ چھوٹا سا قومی وطن دے دیا جائے جس کی حدود مغربی پاکستان کے اندر ہوں اور جہاں انہیں روز مرہ زندگی اور ریاست کے انتظامی امور میں حقوق خود اختیاری حاصل ہوں -"(۲۳)

جناب اصفہانی اپنی کتاب میں جس کا نام ہے " جناح میری نظر میں "

(JINNAH AS I KNOW HIM) مہاراجا پٹیالہ کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ جناح صاحب نے انہیں سکھ ریاست کی پیشکش کی تھی - مہاراجا کے الفاظ جو مہاراجا کی یادداشتوں سے لیے گئے ہیں ' درج کیے جاتے ہیں - یہ یادداشتیں ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی تھیں :

" چنانچہ کوئی بھی غیر جانبدار مبصر مسلم لیگ پر کی جانے والی اس تنقید پر متفق نہ ہو گا کہ مسلم لیگ نے سکھوں کی یقین دہانی اور رضا جوئی کے لیے کچھ نہیں کیا - "(۲۴)

سردار نرنجن سنگھ عطیر کا کہنا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جو تباہی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا ' اس کے پیچھے کانگری رہنما سردار پٹیل کا ہاتھ تھا جسے کانگرس کا مرد آہن کہا جاتا تھا - سردار پٹیل نے ماسٹر تارا سنگھ جی کو روپیہ مہیا کیا ' تارا سنگھ جو اس وقت اکالی دل کے صدر تھے ' یہ روپیہ چیک کے ذریعے دیا گیا - سردار پٹیل نے ماسٹر تارا سنگھ سے مطالبہ کیا تھا کہ ان روپیوں سے ہتھیار خریدے جائیں تاکہ مسلمانوں کو قتل کر کے مشرقی پنجاب کو ان کے وجود سے پاک کر دیا جائے -

حق یہ ہے کہ سکھ رہنماؤں نے اپنی قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا - انہوں نے ہرگز یہ نہ دیکھا کہ خود ہندو تو گفت و شنید کی میز پر بیٹھ گئے ہیں تاکہ ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کریں - حد یہ ہے کہ ہندو قائد وائسرائے ' وائسرائے کے مدبرین و معاونین کے ساتھ ' قائداعظم کے ساتھ ' قائداعظم کے معاونین کے ساتھ معاملات طے کر رہے تھے - کیا واقعی سکھ قائدین نے یہ نہ دیکھا کہ ہندو تو مسلمانوں کے ساتھ پنجاب سمیت اپنے وطن کی حدود معین کر رہے ہیں اور سکھوں کو انہوں نے اپنی ریاست اور آزاد وطن کے بارے میں سوچنے کے بجائے ' ہتھیار تیز کرنے اور چمکانے پر لگا دیا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے میں مصروف رہیں - کیا تاریخ کا اور ایک قوم کا المیہ نہیں ہے کہ اس کے افراد بجائے اس کے کہ اپنے وطن اور اپنی ریاست کے حصول کی خاطر لڑتے ' انہوں نے ایک دوسری قوم کے اشارے پر ایک تیسری قوم

کے قتل و غارت کو اپنے لیے مقصود و مراد بنا لیا - سکھ اپنے رہنماؤں کی مہربانی کے باعث فخر سے جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

اگر ہندوؤں نے بھارت لے لیا تو کیا؟ اور اگر مسلمانوں نے پاکستان لے لیا تو کیا؟ ہم اس پر خوش ہیں کہ ہم نے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا مردوں کو بھی' عورتوں کو بھی' بوڑھوں کو بھی' بچوں کو بھی' ان کے گھر جلائے' ان کے مویشی مارے' ان کی فصلیں جلائیں اور ان کی عورتیں اغوا کیں

اگر اس وقت سکھ رہنما ہوش و حواس میں ہوتے تو انہیں یقیناً دکھائی دیتا کہ جو کلہاڑیاں اور چھریاں' نیزے اور بندوقوں کی گولیاں وہ مسلمانوں پر چلا رہے ہیں' درحقیقت ان کی اپنی قوم اس کا نشانہ بن رہی ہے - سکھوں نے بھارتی پنجاب میں مسلمانوں کو قتل نہیں کیا بلکہ خود اپنے مستقبل کو تہ تیغ کر دیا - اور یہ سب کچھ ہندوؤں کی سیاسیانہ کارروائیوں کے باعث ہوا - جن کارروائیوں کی بدولت بھولی بھالی خالصہ قوم بآسانی ان کا آلۂ کار بن کر رہ گئی -

تقریباً ۵۰۰ سال ہندو اس کوشش میں سرگرم رہے کہ سکھ فرقے کو ہندو فرقہ ہی قرار دیا جاتا رہے - اور سکھوں نے بھی ہندوؤں کے اس رویے کو قبول کیے رکھا - ہندوؤں کے ساتھ شادی بیاہ جاری رکھا - ان کے موسمی اور تمدنی میلوں میں انھی کی طرح شریک ہوتے رہے - ہندوؤں کے قومی مردان کبیر کو اپنا ہیرو مانتے رہے اور کبھی کوشش نہ کی کہ اپنا انفرادی تشخص بحال کریں - تقسیم برعظیم کے بعد جو سکھ پنجاب اور سرحد سے شرنارتھی ہو کر پاکستان سے بھارت میں منتقل ہوئے' انہیں بالعموم پنجاب میں آباد نہ ہونے دیا گیا - سکھوں کے گروہوں کو مہاراشٹر' بہار' مغربی بنگال' حیدرآباد' میسور' یوپی وغیرہ علاقوں میں منتشر کر دیا گیا - اور وہ جو مشرقی پنجاب میں تھے' پٹیل جی اور نہرو جی نے ان کی بھی مشکیں کس دیں - رفتہ رفتہ ان کی آنکھیں کھلنے لگیں اور انھوں نے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا شروع کی -

سکھوں کا اپنے حقوق کے لیے مطالبہ کرنا ہندوؤں کو ناگوار گزرا - ہندوؤں کا یہی رویہ مسلمانوں کے بارے میں تھا کہ جب بھی مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تو ہندو شور مچاتے کہ یہ فرقہ وارانہ باتیں ہیں - یہ تعصب کی باتیں ہیں - ہندو مسلم بھائی بھائی - اسی طرح جب بھی بیچارے اچھوت اپنے حقوق کی بات کرتے تو ہندو راہنما چلا اٹھتے کہ ہندو اچھوت بھائی بھائی - آریہ اچھوت ایک قوم - بالکل اسی طرح جب سکھوں نے اپنے قومی حقوق مانگے تو ہندوؤں نے پرانا نعرہ پھر بلند کیا کہ ہندو سکھ خونی رشتے میں مربوط ہیں - سکھ علیحدہ قوم کیسے ہو سکتے ہیں - ہندو سکھ بھائی بھائی اور جب سکھ اپنے آپ کو ہندوؤں سے جدا ایک قوم قرار دینے پر مصر اور متحد ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ وہ ہندوؤں سے بالکل جدا اور منفرد قوم ہیں اس لیے انہیں ان کے خصوصی قومی اور پنتھی حقوق دیے جائیں تو اس پر ہندو کا احتجاجی روایتی خونخوار رویہ کھل کر سامنے آ گیا - اس رویے کا جلی الفاظ میں مفہوم یہ تھا کہ اے سکھو! تم اگر مسلمانوں اور اچھوتوں کی طرح اپنے آپ کو ہندو جاتی سے کوئی الگ معاشرہ قرار دیتے ہو تو پھر سن لو کہ اب تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک ہو گا جو اچھوتوں اور مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا گیا ہے -

چنانچہ ۱۹۸۴ کے موسم گرما سے کانگرس اور دیگر ہندو لیڈروں کی بدولت ہندوؤں اور سکھوں کے مابین اصلی خونی رشتہ استوار ہونے لگ گیا ہے - ایک خونی رشتہ ہندوؤں کے پرانے دعوے پر استوار تھا' اس خونی رشتے کی بدولت سکھوں کو بھائی بندی کا دھوکا دیا گیا اور اب خونی رشتہ سکھوں کی لاشوں پر استوار ہو رہا ہے - اس رشتے کا رنگ خونی ہے - وہ ہندو مکر کا رشتہ تھا' پانچ سو سال بحال رہا - یہ ایثار و قربانی کا رشتہ ہے' جو سکھ اپنے خون سے استوار کر رہے ہیں' یہ ہزارہا سال تک قائم اور مربوط رہے گا - مکر کی بنیادیں ڈھے جاتی ہیں مگر ایثار و قربانی پر استوار ہونے والے قلعے قائم رہتے ہیں -

NOTES AND REFERENCES

1. Vincent A. Smith, Oxford History of India, Clarendon Press, Oxford, 1964, p. 454.
2. M. S. Vairanpillai, Nationalities in Indian Politics, F.C. College, Lahore, 1946, p. 121.
3. Narinder Singh Bhuler, Sikhon Kay Liay Hindu Achhay Ya Musalman, (Urdu) Mohan Press, Jullander, 1966, p. 33.
4. Ibid., p. 3.
5. Ibid., p. 5.
6. Ibid., p. 7.
7. Ibid., p. 7.
8. Ibid., p. 10.
9. Ibid., p. 11.
10. Ibid., p. 12.
11. Ibid., p. 13.
12. Ibid., p. 15.
13. Ibid., p. 17.
14. Ibid., p. 19
15. Ibid., pp. 24–32.
16. Ibid., p. 31.
17. Ibid., p. 27.
18. Sardar Sardul Singh Kaweshar, Gandhism Versus Commonsense, National Publication, Lahore, 1942, p. 14.
19. Sir Gokal Chand Narang, Transformation of Sikhism, New Book Society, Lahore, 1946, p. 335.
20. Gurbachan Singh, Lal Singh Giani, The Idea of the Sikh State, Lahore Book Shop, Lahore, 1946, pp. 6-7.
21. Ibid., p. 10.
22. Michael Edwards, Last Year of British India, Cassell, London, 1963, p. 210.
23. M. A. H. Ispahani, Quaid-i-Azam as I Knew Him, Ferozsons, Karachi, 1959, p. 258.
24. Ibid., p. 107.

ہندو ذہنیت اور

نظریۂ پاکستان کی اساس

کو سمجھنے کے لیے

پروفیسر محمد منوّر

(ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی)

کی نہایت اہم کتاب

دیوارِ برہمن

ہر پاکستانی کے لیے اس کتاب کا مُطالعہ ضروری ہے

سفید کاغذ - مجلّد - خوبصورت گرد پوش - بہترین کمپوزنگ - صفحات 400

قیمت -/190 روپے

ہم سے طلب فرمائیں

مکتبۂ وحدتِ ملّی

40- بی اردو بازار لاہور - فون: 7228873